

ہر گفتگو اپنے اثرات چھوڑتی ہے

ہر گفتگو اس بات کی حقدار نہیں ہوتی کہ اسے آپ اپنے ذہن میں جگہ دیں۔ جس قسم کی بات چیت کو آپ بار بار سنتے ہیں، وہی یہ طے کرتی ہے کہ آپ کے لیے کیا معمول کی بات ہے، کیا قابل قبول ہے، اور یہ سب ایک غیر محسوس طریقے سے آپ کی شخصیت کی تشکیل کر رہا ہوتا ہے۔ اپنی توجہ کی حفاظت کرنا زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ آپ کے کردار کی حفاظت ہے۔ دانشمندی سے بات کیجیے، جب ممکن ہو گفتگو کا رخ موڑیے، اور جہاں ضروری ہو وہاں سے اٹھ جائیے۔ ہر گفتگو آپ کی شخصیت کو ایک شکل دے رہی ہے؛ ان گفتگوؤں کا انتخاب کیجیے جو آپ کے ضمیر کو مضبوط بنائیں، نہ کہ ان کا جو اسے آہستہ آہستہ سلا دیں۔

میں وہاں بیٹھا، شائستگی سے مسکرا رہا تھا اور مناسب موقع پر اثبات میں سر ہلا رہا تھا، جبکہ میرے اندر کچھ مسلسل کھینچ رہا تھا۔ گفتگو انتہائی روانی سے چل رہی تھی۔ شاید کچھ زیادہ ہی حد اعتدال سے بڑھی ہوئی روانی۔ موضوعات کا کوئی تسلسل نہ تھا، چٹکے چھوڑے جا رہے تھے، شوہر پر تبصرے ہو رہے تھے، اور جو لوگ محفل میں موجود نہ تھے، ان لوگوں کے بارے میں سرسری باتیں چل رہی تھیں۔ اور پھر، یکایک، ایک ایسے مبہم انداز میں جو محسوس تک نہ ہوا... "بات حد سے بڑھ گئی۔ کسی کا نام لیا گیا، پھر اس پر ایک بات کہی گئی، اور دوسرا بھی اس میں شامل ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے، بات چیت کا رخ بدل گیا؛ جو پہلے صرف ایک عام سی بات تھی، اب وہ تنقید بن گئی، اور تذکرہ مذاق اڑانے میں بدل گیا۔

میں بول تو نہیں رہا تھا۔ لیکن میں وہاں سے اٹھ کر جا بھی نہیں رہا تھا۔ اور بے چینی کی اصل وجہ یہی تھی۔ خرابی اس بات میں نہیں تھی جو وہ کہہ رہے تھے، بلکہ اس بات میں تھی کہ میں وہاں رکا ہوا تھا۔

ہم عام طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ اخلاقی پستی صرف تب آتی ہے جب ہم خود زبان یا عمل سے کچھ غلط کریں۔ لیکن ایک خاموش زوال وہ بھی ہوتا ہے جو تب شروع ہوتا ہے جب ہم بار بار ایسی محفلوں اور باتوں کا حصہ بنتے ہیں جو ہماری سوچ کو دھندلا دیتی ہیں، ہمارے ضمیر کو سلا دیتی ہیں، اور ان غلط باتوں کو ہمارے لیے عام اور جائز بنا دیتی ہیں جن کے غلط ہونے کا ہمیں پورا یقین ہوتا ہے۔

ہر گفتگو اپنا ایک اثر (residue) چھوڑ جاتی ہے۔ لازمی نہیں کہ یہ ہمارے ظاہری رویے پر اثر انداز ہو، بلکہ یہ ہماری اندرونی دنیا پر اثر ڈالتی ہے۔

قرآن ہمیں صرف اس بات سے نہیں ڈراتا کہ ہمارے ہاتھوں نے کیا کیا۔ وہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہماری سماعت، ہماری بصارت اور ہمارے دلوں سے بھی سوال کیا جائے گا۔ ہم جس چیز کو بار بار سنتے ہیں، وہ ہمارے لیے معمول کی بات بن جاتی ہے۔ اور جو چیز معمول بن جائے، وہ آہستہ آہستہ قابل قبول بن جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایسی محفلیں انسان کو تھکا دیتی ہیں، سماجی طور پر نہیں بلکہ اخلاقی طور پر۔ آپ وہاں سے اٹھتے ہیں تو خود کو زیادہ بوجھل، چمچڑا اور بے سکون محسوس کرتے ہیں۔ ایسا اس لیے نہیں ہوتا کہ کسی نے آپ پر حملہ کیا تھا، بلکہ اس لیے ہوتا ہے کہ آپ کے اندرونی معیارِ اخلاق کی خاموشی سے خلاف ورزی ہوئی تھی۔

یہ وہ مقام ہے جہاں بہت سے مخلص لوگ پھنس جاتے ہیں۔ آپ اس گفتگو میں حصہ نہیں لینا چاہتے۔ آپ وعظ بھی نہیں کرنا چاہتے۔ آپ مغرور بھی نہیں دکھنا چاہتے۔ آپ یہ بھی نہیں چاہتے کہ آپ پر "بہت زیادہ مذہبی"، "حساس" یا "اصول پرست" ہونے کا لیبل لگ جائے۔

چنانچہ، آپ ساکت ہو جاتے ہیں۔ آپ خاموش رہتے ہیں۔ آپ مسکراتے ہیں۔ آپ برداشت کرتے ہیں۔ اور پھر بعد میں کچھ نہ کرنے پر خود کو ملامت کرتے ہیں۔

مگر اصل چیز جو پوری صورت حال کو بدل کر رکھ دیتی ہے، وہ یہ ہے: یہاں آپ کا امتحان دوسروں کو قابو میں کرنا یا بدلنا نہیں ہے بلکہ یہ آپ کا اپنے وجود، اپنے فیصلے اور اپنی موجودگی پر اختیار قائم کرنے کا امتحان ہے۔

جب ہمیں کچھ غلط محسوس ہوتا ہے، تو ہمارا پہلا جبلتی رد عمل اس کی اصلاح کرنا ہوتا ہے۔ "یہ غیبت ہے۔" "ہمیں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔" "یہ درست نہیں ہے۔"

بعض اوقات ایسا کرنا ضروری بھی ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر، محفلوں یا سماجی میل جول میں، اس سے لوگ اپنی صفائیاں دینے اور دفاعی انداز اختیار کرنے لگتے ہیں۔ وہ بات کے چھپے چھپے اصول کو نہیں سمجھتے، بلکہ انہیں لگتا ہے کہ ان پر تنقید کی جا رہی ہے۔ یوں بات چیت کا سلسلہ وہیں رک جاتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ اپنی غلطی پر شرمندہ ہو کر سوچنے لگے ہیں، بلکہ اس لیے کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ بے نقاب ہوئے ہیں۔

مقصد کوئی اخلاقی بحث جیتنا نہیں ہے۔ مقصد اپنے اندرونی وقار کا تحفظ کرنا اور مثبت اثر اندازی کے لیے دروازہ کھلا رکھنا ہے۔ اس کے لیے طاقت کی نہیں بلکہ حکمت کی ضرورت ہوتی ہے۔

گفتگو کی براہ راست مخالفت کرنے کے بجائے، اس کے رخ کو موڑنے کی کوشش کیجیے۔ اصلاح کر کے نہیں، بلکہ ایک متبادل سامنے لا کر۔ کوئی سوال۔ کوئی خیال۔ یا معاملے کو ایک غیر جانبدار زاویہ دے کر۔

مثال کے طور پر: "میں حال ہی میں سنی گئی ایک بات پر غور کر رہا تھا کہ گفتگو ہمارے مزاج پر کتنا اثر انداز ہوتی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

یا

"اس بات سے مجھے ہماری ایک پرانی بحث یاد آگئی کہ جب تک ہمیں کسی کی پوری کہانی معلوم نہ ہو، غلط فہمی پیدا ہونا کتنا آسان ہوتا ہے۔"

یا پھر

"میں آج کل اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ میں کس قسم کی محفلوں میں بیٹھتا ہوں۔ یہ جتنا آسان لگتا ہے، اتنا ہے نہیں۔"

غور کیجیے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ آپ کسی پر الزام نہیں لگا رہے، آپ وعظ نہیں کر رہے، اور نہ ہی اپنی اخلاقی برتری کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ آپ صرف اپنی بات کر رہے ہیں۔

اور یہ چیز سامنے والے کے دفاعی انداز کو مدہم کر دیتی ہے۔ بعض اوقات، کوئی جواب نہیں دیتا۔ بعض اوقات کوئی موضوع بدل دیتا ہے۔ بعض اوقات کوئی ایک شخص آپ کی بات سے متفق ہو جاتا ہے، اور بس اتنا ہی کافی ہوتا ہے۔

اثر اندازی شاذ و نادر ہی گروپ کے مرکز سے شروع ہوتی ہے۔ یہ ہمیشہ کناروں سے شروع ہوتی ہے۔

جب آپ اصول پسندی اور سچائی پر قائم رہنے کی کوشش کریں گے تو یہ حقیقت ہے کہ اکثر لوگ غور بھی کریں گے، لوگ باتیں بھی بنائیں گے، اور لوگ آپ کو اسی 'ایک خامی' تک محدود کر دیں گے جسے آپ بہتر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ جب کوئی بدلتا ہے، تو وہ دوسروں کے درمیان خاموشی سے طے پائے جانے والے اس معاہدے کو ٹھیس پہنچاتا ہے جس کا مقصد بدلنا نہیں تھا۔ لیکن کڑوی سچائی یہ ہے کہ: اگر لوگوں کے ردِ عمل کا خوف آپ کی حدود کا تعین کرتا ہے، تو آپ اصولوں کے مطابق نہیں جی رہے؛ بلکہ آپ دوسروں کی پسندیدگی کے سہارے جی رہے ہیں۔ اور پسندیدگی وہ سب سے مہنگی کرنسی ہے جو آپ خرچ کر سکتے ہیں۔ آپ کو اپنی اندرونی حدود کا جواز پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو ہر بار وضاحتیں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو پورے گروپ کی اصلاح نہیں کرنی۔ آپ کو صرف یہ فیصلہ کرنا ہے: میں اپنی موجودگی سے کس قسم کی گفتگوؤں کی آبیاری کرنے کے لیے تیار ہوں؟

بعض اوقات، سب سے دانشمندانہ انتخاب وہاں سے ہٹ جانا ہوتا ہے۔ بغیر کسی ڈرامائی انداز یا اخلاقی برتری جتائے، بس خاموشی سے۔ آپ اجازت لیتے ہیں۔ آپ ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ آپ فوراً واپس نہیں آتے۔ یہ کسی ردِ عمل کے اظہار کے لیے نہیں، بلکہ اپنے اندرونی سکون کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے۔ یہ تکبر نہیں ہے۔ یہ حفاظت ہے۔ آپ کے پاس محدود توجہ ہے۔ محدود جذباتی توانائی ہے۔ محدود اخلاقی گنجائش ہے۔

اور ہر چیز کی ایک قیمت (opportunity cost) ہوتی ہے۔ جس محفل میں آپ آج بیٹھتے ہیں، کل وہاں بیٹھنا مزید آسان ہو جاتا ہے۔ یہ سوچنا بڑا پرکشش لگتا ہے کہ "یہ تو صرف باتیں ہیں"۔ لیکن باتیں سوچ کو جنم دیتی ہیں۔ سوچ رویوں کو ڈھالتی ہے۔ رویے کردار بناتے ہیں۔ جب غیبت ایک عام سی بات بن جائے، تو ظلم معمولی لگنے لگتا ہے۔ جب ظلم معمولی لگنے لگے، تو ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔ جب ضمیر مردہ ہو جائے، تو ہمیں اس نقصان کا احساس تک نہیں رہتا۔

یہی وجہ ہے کہ بہتر گفتگو کا انتخاب محض ایک سماجی ترجیح نہیں۔ بلکہ ایک اخلاقی نظم و ضبط (moral discipline) ہے۔ اور تمام ضابطوں کی طرح، شروع میں بڑا تنہا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ، کچھ بدلنے لگتا ہے۔ آپ کو ایک ایسا شخص ملتا ہے جو آپ کے خیال سے ہم

آہنگ ہوتا ہے۔ پھر دوسرا ملتا ہے۔ آہستہ آہستہ، ایک مختلف قسم کی سوسائٹی وجود میں آتی ہے۔ جو زیادہ پر شور یا بڑی نہیں ہوتی، بلکہ زیادہ سچی ہوتی ہے۔

آپ اپنے آس پاس کے ہر شخص کی اصلاح کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ آپ صرف اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ وہ آپ کو ان طریقوں سے نہ بدل دیں جنہیں آپ غلط جانتے ہیں۔ جب موقع ملے، عاجزی کے ساتھ بات کیجیے۔ جب ممکن ہو، دانشمندی کے ساتھ رخ موڑیے۔ جب ضروری ہو، وقار کے ساتھ الگ ہو جائیے۔

اور سب سے بڑھ کر، صرف اس لیے کوشش کا دامن نہ چھوڑیے کہ یہ مشکل یا تکلیف دہ ہے۔ کچھ کشمکشیں جلدی حل ہونے کے لیے نہیں ہوتیں۔ وہ اس لیے ہوتی ہیں تاکہ وہ آپ کو نکھار کر وہ انسان بنا سکیں جو آپ بن رہے ہیں۔ اور درحقیقت، خاموشی سے جاری یہی وہ اصل گفتگو ہے جو معنی رکھتی ہے۔